روحانیت و مادّیت کا بنیادی فرق

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

دُنیا وآخرت، دِین ودنیا، رُوحانی ونفسانی، رحمانی وشیطانی، اور رُوحانیت ومادّیت کی اصطلاحات کا استعمال ہماری مجلسوں، تقریروں اور تحریروں میں کثرت سے ہوتا رہتا ہے، جو حضرات اِن الفاظ کے درمیان موجود فرق کو جانتے ہیں اُن کے مزید اطمینان کے لیے، اور نہ جاننے والوں کی تبلیغ کے لیے کچھ متعلقہ تفصیلات پیش کی جاتی ہیں، و باللہ التوفیق، وھو المستعان۔

دنیا وآخرت کا فرق: قرآنِ کریم اور حدیث شریف میں: مذکورہ اصطلاحات میں سے اولین دو اصطلاح کا استعمال زیادہ ہوا ہے، چنانچہ دنیا وآخرت کا مقابلہ کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

{وما هذه الحياة الدنيا إلا لهو ولعب، وإن الدار الآخرة لهي الحيوان لو كانوا يعلمون} (العنکبوت ۶۴) (یہ دنیوی زندگی تو بس تماشا اور کھیل ہے، اور آخرت کا گھر اصل زندگی ہے، کاش لوگ اِس کو سمجھ لیتے)۔

وما الحياة الدنيا إلا متاع الغرور (آل عمران) دنیوی زندگی تو بس ایک دھوکہ ہے۔

{والآخرة خير لمن اتقى} (النساء) (اہل تقوی کے لیے آخرت بہتر ہے)۔

{فما أوتيتم من شيء فمتاع الحياة الدنيا، وما عند الله خير وأبقى، للذين آمنوا ...} (الشوری ۳۶) (سو جو کچھ تمھیں دیا گیا ہے وہ محض دنیوی زندگی کے برتنے کے لیے ہے، اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور پائیدار ہے؛ اُن لوگوں کے لیے جو اِیمان لائے ...)۔

{إنما هذه الحياة الدنيا متاع، وإن الآخرة هي دار القرار} (الغافر ۳۹) (دنیوی زندگی تو بس گذر بسر کی چیز ہے، اور بے شک آخرت، وہ ہے رہنے کا اصل ٹھکانہ)۔

اِن آیات سے معلوم ہوا کہ ''دنیا'' اور ''آخرت'' اپنی اَصل کے اعتبار سے دو متضاد

تصورِ حیات اور دو مخالف سمت ہیں: ایک حقیقت، دوسرا دھوکہ، ایک فانی، دوسرا باقی، ایک حاضر اور موجود، دوسرا غیب اور موعود۔

حدیث شریف: الدنیا سِجنُ المؤمن و جنۃ الکافر (مسلم ۲۹۵۶) میں یہی ''دنیا'' مراد ہے کہ آخرت کے مقابلے میں یہ دنیا اِیمان والوں کے لیے قید خانہ اور کافروں کے لیے جنت ہے۔

مگر دونوں کے درمیان اتنے سخت تضاد اور اختلاف کے باوجود، تطبیق کی ایک شکل بھی شریعت نے بتائی ہے، وہ یہ کہ ''دنیا'' کے ہر کام اور اِقدام میں رضائے الٰہی کا اِہتمام اور آخرت کے اجر و ثواب کی نیت کرلی جائے، اور شریعت کے ''جواز و عدم جواز'' کے اُصول کی رعایت کرلی جائے، یعنی اِخلاص اور سنت و شریعت کے اتباع کی فکر کرلی جائے تو ان دونوں متضاد راستوں میں بھی تطبیق ہو جائے گی، قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالی کا اِرشاد ہے:

{من کان یرید العاجلة عجلنا له فیها ما نشاء لمن نرید ثم جعلنا له جهنم یصلاها مذموماً مدحوراً، و من أراد الآخرة و سعی لها سعیها و هو مؤمن فأولئک کان سعیهم مشکوراً} (الإسراء ۱۸–۱۹) (جو اپنے اعمال کا نتیجہ جلد ہی چاہتا ہے تو جس کو جتنا دینا ہوگا ہم (دنیا ہی میں) دے دیں گے، پھر (آخرت) میں ہم نے اُس کے لیے جہنم تیار کر رکھی ہے، جس میں وہ کمین و ذلیل ہو کر جلتا رہے گا، اور جو آخرت کی نیت کرے گا اور اُسی کی سعی میں لگے گا اور وہ مؤمن بھی ہوگا تو ہاں ایسے لوگوں کی سعی مشکور ہوگی)۔

ایک جگہ یہ ارشاد ہے: **{من کان یرید حرث الآخرة نزد له في حرثه، و من کان یرید حرث الدنیا نؤته منها و ما له في الآخرة من نصیب}** (الشوری ۲۰) (جو آخرت کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُس کی کھیتی میں اضافہ کر دیں گے، اور جو دنیا کی کھیتی چاہتا ہے ہم اُس کو (اُس کی قسمت کے بقدر) اُس میں سے دے دیں گے، اور آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہ ہوگا)۔

سورۂ ہود میں ہے **{من کان یرید الحیوة الدنیا و زینتها نوف إلیهم أعمالهم فیها، و هم فیها لا یبخسون، أولئک الذین لیس لهم في الآخرة إلا النار، و حبط ما صنعوا فیها، و باطل ما**

کانوا یعملون} (۱۵-۱۶) (جو لوگ دنیوی زندگی اور اُس کی زیب وزینت کے طالب ہوں گے، ہم اُن کے اعمال کا پورا پورا صلہ اسی دنیا میں دے دیں گے، اور یہاں اُن کے حق میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی، یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو آخرت میں سوائے آگ کے کچھ نہ ملے گا، اور دنیا کا سب کیا دھرا غارت ہوجائے گا، اوران کے سارے اعمال حبط ہوجائیں گے)۔

حدیثِ پاک: الدنیا متاع، وخیر متاع الدنیا المرأة الصالحة (مسلم ۱۴۶۷) (دُنیا برتنے اور نفع اُٹھانے کی چیز ہے — دِل لگانے کی چیز نہیں ہے —، اور دنیا میں نفع اُٹھانے کی سب بہتر چیز نیک بیوی ہے)، اِس حدیث میں اُسی ''دنیا'' کا بیان ہے جو دنیا اور آخرت کی تطبیق کے ساتھ حاصل کی گئی ہو۔

اِس تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ دُنیا کی جو چیز آخرت کی تیاری میں رکاوٹ نہ بنے، وہ اپنی ذات میں بری نہیں ہے، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے کہ قرآن کریم میں اِسی دنیا کی چیزوں کے بارے میں فرمایا گیا ہے: {وإن من شيء إلا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم} (الإسراء ۴۴) (کائنات کی کوئی چیز نہیں ہے مگر وہ اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے، البتہ تم اُس کی تسبیح سمجھتے نہیں ہو)۔

دِین ودُنیا کا فرق: اور دِین ودنیا کے تقابل کے تناظر میں اِرشاد ہے:

{واصبر نفسک مع الذين يدعون ربهم بالغداة والعشي يريدون وجهه، ولا تعد عيناک عنهم تريد زينة الحياة الدنيا، ولا تطع من أغفلنا قلبه عن ذكرنا، واتبع هواه وكان أمره فرطاً} (الکہف ۲۸) (اور آپ اپنے آپ کو اُن لوگوں کے ساتھ رکھا کیجیے جو صبح وشام اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں اُس کی رضا جوئی کے لیے، اور دنیوی زندگانی کی رونق کے خیال سے آپ کی آنکھیں اُن سے ہٹنے نہ پائیں، اور اُس شخص کا کہنا نہ مانیے جس کے قلب کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کردیا ہے، اور وہ اپنی نفسانی خواہشات پر چلتا ہے، اور اُس کا معاملہ حد سے بڑھ گیا ہے)۔

یہی وہ دُنیا ہے جس کا اِس حدیث شریف میں تذکرہ ہے: **ألاَ إنَّ الدنیا ملعونۃ، ملعونٌ ما فیھا إلا ذِکرَ اللّٰہ، وما والاہ، وعالمٌ أو متعلم** (ترمذی ۲۳۲۲، وقال: حسن غریب، وابن ماجہ ۴۱۱۲) (سن لو! بے شک دنیا اور جو کچھ اِس دنیا میں ہے سب کچھ سببِ لعنت ہے، سوائے اللہ کے ذکر کے، اور اُس سے متعلق اُمور کے، اور عالم یا متعلم کے)۔

مطلب یہ ہے کہ اِنسان کی تخلیق کا مقصد اصلی ''عبادتِ خداوندی اور طاعتِ رب'' ہے، لہٰذا جو بھی چیز اِس مقصد میں مخل ہوگی وہ سب اللہ کی رحمت سے دوری کا سبب ہوگی۔ (''جامع العلوم والحِکَم''، ۲/۱۹۹، للحافظ ابن رجب حنبلیؒ)۔

دنیا وآخرت، اور دین ودنیا کے فرق سے متعلق حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے اِفادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱– جب لفظِ ''دنیا'' بمقابلہ ''آخرت'' استعمال ہو، اُس وقت یہ ''دُنُوٌّ'' (قریب) سے مشتق ہوتا ہے، چونکہ آخرت بعد میں آنے والی ہے، اِس لیے اُس سے پہلے کی زندگی کو ''دُنیا'' (یعنی قریب) کہا جاتا ہے۔

۲– اور جب ''دُنیا'' بمقابلہ ''دِین'' استعمال ہو، اُس وقت یہ لفظ ''دَنِیٌّ'' (خسیس، گھٹیا اور کم تر) سے مشتق مانا جاتا ہے، چونکہ حقیقی اعتبار سے اللہ ورسول کی طرف منسوب چیزیں ہی باوقعت، اور باعزت ہوتی ہیں، اِس لیے خلافِ دین چیزوں کو ''دنیا'' (بمعنی خسیس اور گھٹیا) کہا جاتا ہے۔

پھر دُنیا بمقابلۂ آخرت والی صورت میں تو نیت کی اِصلاح سے تطبیق ہوجاتی ہے، مگر دُنیا بمقابلۂ دِین کی صورت میں تطبیق ممکن نہیں، لہٰذا جو بھی چیز اللہ کے ذکر سے غافل کرنے والی ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت میں مانع بن رہی ہو، اور شریعت کی پابندی اور تابعداری میں مخل ہورہی ہو، وہ قرآن کریم کی اصطلاح میں ''دُنیوی رونق'' کا حصہ ہے، اور حدیث شریف کے بموجب اُس شخص کے لیے اللہ سے دوری کا اور لعنت ووَبال کا سبب ہے۔ خواہ وہ مال

ودولت کی شکل میں ہو، جاہ ومنصب کی صورت میں ہو، خانگی مسائل، معاشی مشاغل، اورسیاسی تدابیر کے طور پر ہو، یا بیوی، بچوں اوراہل وعیال کی فکرِ تربیت اورسعیٔ روزگار کے طور پر ہو، دینی تقاضوں میں خلل ڈالنے والی ہر چیز ''دنیا'' ہے، جوبری اورمضر ہے۔

اِس کے برخلاف اِس ''دنیا'' میں پائی جانے والی جوحلال اورمباح چیزیں دِینی امور اور مقاصد میں معاون بن جائیں، وہ اللہ کا انعام ہیں، اُن کی قدردانی اورشکرگذاری کا حکم ہے، اورصحیح معنوں میں دنیا کی ایسی چیزیں تو ''دین'' کا حصہ بھی ہیں، اِس کا ظاہری معیار یہ ہے کہ جب دین ودنیا کے تقاضوں میں (جواز وعدم جواز کا، یا اِختیار کرنے اور نہ کرنے کا) اختلاف اورتعارض ہوتو ترجیح ہمیشہ شرعی حکم اور دینی تقاضے کو دی جائے ،نفسانی خواہشات، طبعی جذبات اوردنیوی تقاضوں کونہیں۔

اشتغالِ دنیا کے چارمرتبے: کتاب وسنت کے مجموعی نصوص، اورسیرتِ پاک وسوانح اکابرکوسامنے رکھتے ہوئے علمائے حق نے اِشتغال دنیا کے چارمرتبے بیان فرمائے ہیں-

۱ــ اِنسان اپنا مبلغِ علم اورمحورِ سعی وعمل قرار تو دے فکرِ آخرت کو،مگر بقدرِ کفاف کسبِ حلال بھی کرلے، یہ زہد فی الدنیا کہلاتا ہے، اوریہی سیدالانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ کے سچے جانشینوں کا طریقہ ہے،حضرت تھانویؒ نے علماء کے لیے اِسی کوافضل قراردیا ہے۔

۲ــ آخرت کی فکراور اِستحضار کے ساتھ ساتھ،سہولت اورآسائش کی حدتک شغل دنیا میں لگے، اوراُس کوبھی حصولِ آخرت اورتحصیلِ دین ہی کا ذریعہ بنالے، یہ عام متموِّل صالحین کا طرزِعمل ہے، بلکہ بعض انبیائے سابقین علیہم الصلاۃ والسلام اور بہت سے اصحابِ رسول کی سیرت میں بھی اِس کا نمونہ موجود ہے۔

۳ــ دنیا ومافیہا سے (قلباً وعملاً) بالکل یکسوہوکر، صرف فکرِ آخرت کا غلبہ ہو، اس کے اِختیار کرنے سے اگر دیگر حقوق اللہ اورحقوق العباد متاثر نہ ہوں، تواس کی بھی گنجائش ہے، بلکہ اگرشرطِ مذکور کی رعایت کے ساتھ،کسی شخص کے لیے دِینی اعتبار سے مفید ہونا متعین

ہو جائے، تو محمود اور پسندیدہ بھی ہے۔

۴- حلال وحرام سے بے پروا، اور آخرت سے غافل ہو کر، فکرِ دنیا میں پوری طرح اِنہماک، یہ وہ دنیا داری ہے جس کی قرآن وحدیث میں مذمت وارد ہوئی ہے۔

حضرت تھانویؒ ''بیان القرآن'' میں آیت: {ربنا آتنا في الدنيا حسنةً وفي الآخرة حسنةً، وقنا عذاب النار} (البقرۃ ۲۰۱) کے تحت فرماتے ہیں: ''اِس آیت سے ہمارے زمانے کے طالبانِ دنیا کو شبہ پڑ گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے طالبانِ دنیا کی مدح کی ہے جب کہ وہ طالبُ آخرت کے بھی ہوں، اور یہ بڑی غلطی ہے، کیوں کہ آیت میں {آتنا} کا مفعول بہ {حسنة} ہے، اور {الدنیا} ظرفِ طلب (مانگنے کی اور ملنے کی جگہ) ہے، خود مطلوب نہیں، بلکہ مطلوب: {حسنة} ہے۔

خلاصہ یہ کہ وہ لوگ اِس کے طالب ہیں کہ ہم کو دنیا میں رہتے ہوئے ''حسنہ'' یعنی وہ حالت جو آپ کے نزدیک مستحسن اور پسندیدہ ہو عنایت کی جاوے، اور اَصل: پسندیدہ اعمال ہیں، پس بالذات وہ مطلوب ہوئے، اور دنیا کے جس قدر حصے کو اِن اَعمالِ حسنہ میں دخل ہے؛ خواہ اہل ہو، یا صحت ہو، وہ البتہ اس ''حسنہ'' کے تابع ہو کر بالعرض وبالغیر مطلوب ہو جاوے گا۔

بخلاف اِس وقت کی تعلیم وطرزِ عمل کے، جس میں دنیا کو مطلوب، اور آخرت کو محض برائے نام قرار دے رکھا ہے، حاشا وکلّا! اس کو آیت سے مسّ بھی نہیں، غایت ما فی الباب (زیادہ سے زیادہ) اگر طلبِ دنیا میں حلال وحرام کے حدود شکستہ نہ کیے جاویں تو اِباحت کا حکم کر دیا جاوے گا، لیکن ''مباحِ شرعی'' ہونے سے ''مطلوبِ شرعی'' ہونا لازم نہیں آتا، خوب سمجھ لو۔'' انتہی۔ (باقی آئندہ اِن شاء اللہ)

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد سلمان (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سہارنپور الیکٹرک پریس سہارنپور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

گزشتہ سے پیوستہ

روحانیت و مادّیت کا بنیادی فرق

مولانا محمد معاویہ سعدی استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہرعلوم سہارنپور

۳–رُوحانیت ونفسانیت کا فرق :

کتاب وسنت میں ''روح'' اور ''نفس'' کے اَلفاظ کا استعمال کثرت سے ہوا ہے، یہ دونوں جواہر اوراَجسام کی قبیل سے ہیں، یا اَعراض اوراَحوال کی قبیل سے، پھر دونوں کی حقیقت ایک ہی ہے، یا الگ الگ، یا روح متشابہات میں سے ہے، اورنفس اُس سے الگ کوئی مستقل وجود ہے؟ مفسرین ومحققین کے ہاں یہ سب (اوران کے علاوہ بہت سے) اَقوال پائے جاتے ہیں، کتاب وسنت میں اِن دونوں کی حقیقت سے متعلق جو کچھ وارِد ہوا ہے وہ یا صریح نہیں ہے، یا سنداً اِتنا صحیح نہیں ہے، کہ اُس کی بنیاد پر کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکے۔

اِس وقت میرا موضوع: اِس مسئلے کی علمی تحقیق اورمحاکمہ کے بجائے؛ ایک مسلمان کو ہر عمل میں روحانیت ونفسانیت کا جو فرق ملحوظ رکھنے کا شرعی حکم ہے، اپنے اکابر کے کلام کی روشنی میں بتوفیقہٖ تعالیٰ اُس کو ذرا وضاحت سے بیان کرنا ہے– **فإن کان صواباً فمن مواھب الرحمن، وإن کان خطأ فمن النفس والشیطان، ونعوذ باللہ من الخذلان**–:

روح کی دو قسمیں ہیں :

(۱) ایک نورانی اورغیر مادّی، اس کو عُلوی بھی کہتے ہیں، یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ اَمر کا مظہر اور بعض حضرات کے نزدیک {**ونفخت فیه من روحي**} [**الحجر : ۲۹**] کی ایک تفسیر ہے۔

روحِ علوی: نورانی اورغیر مادّی ہونے کی وجہ سے بلندی کی طرف پرواز کرتی ہے، عالمِ بالا (آخرت) سے مناسبت کی وجہ سے وہ ایسے کام کرنا چاہتی ہے جو عالمِ بالا میں اُس کی ترقی، اورقربِ خداوندی کا ذریعہ بنیں، وہ کہیں بھی رہے اُس کو فکر وہیں کی ہوتی ہے، حتی کہ وہ عالمِ سفلی

(دنیا) کا کام بھی دینی اُصول اور آخرت ہی کے اَجر ونفع کے خیال سے انجام دیتی ہیں، روحِ علوی ہی اِنسان کی وہ قوتِ محرِّکہ (ابھارنے والی) بھی ہے جو اُس کو اُس کے وطن اَصلی (عالم بالا/آخرت) کی یاد دِلاتی، اور وہاں کے نفع ونقصان کی طرف متوجہ کرتی ہے۔

ہماری اصطلاح میں جب مطلق ''روح'' بولا جاتا ہے تو یہی مراد ہوتی ہے، اِنسان کی ''فطرت'' میں یہی روح داخل ہے: {فطرة الله التي فطر الناس عليها} [الروم: ۳۰] (اللہ کی بنائی ہوئی یہی وہ فطرت ہے جس پر اُس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے)۔ حدیث شریف میں ہے: **ما من مولود إلا يولد على الفطرة، فأبواه يُهوِّدانه أو يُنصِّرانه أو يُمجِّسانه** [بخاری: ۱۳۵۸، ومسلم: ۲۶۵۸] (ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اُس کے والدین اُس کو یہودیت، نصرانیت، اور مجوسیت وغیرہ گمراہ راستوں پر ڈال دیتے ہیں)۔

روح علوی کی غذا: چونکہ روح کا مرکز اَصلی عالمِ بالا ہے، اِس لیے روح کی غذا بھی وہیں سے وابستہ ہے، اِیمان، اور معرفتِ رب اُس کی بنیادی غذا ہے، پھر دیگر عبادت، طاعت، ذکر، تلاوت، دعا، مناجات وغیرہ نورانی اَعمال سے اُس کے اندر مزید قوت، فرحت اور ترقی پیدا ہوتی ہے، قرآن کریم میں ہے: {ألا بذكر الله تطمئن القلوب} [الرعد: ۲۸] (سن لو! اللہ کے ذکر ہی سے قلوب کو طمانینت اور تسلی حاصل ہوتی ہے)۔

روح علوی کے لیے مقوی: روح کی حفاظت، قوت اور ترقی میں بنیادی غذا کے اہتمام کے بعد، سب سے زیادہ مؤثر چیز: مخالفِ نفس اُمور پر صبر ومجاہدہ، اور خلافِ شرع اُمور سے تقوی و پرہیز اِختیار کرنا ہے، کیوں کہ یہ اُصول طے شدہ ہے کہ جس کی روح جتنی طاقتور ہوتی ہے، اُس کا نفس اتنا ہی کمزور، اور جس کا نفس جتنا قوی ہوتا ہے، اُس کی روح اتنی ہی ضعیف۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ اِیمان والوں سے روحِ علوی کی ہی قوت اور ترقی مطلوب بھی ہے، جیسا کہ: {سابقوا إلى مغفرة من ربكم وجنة...} [الحديد: ۲۱]، اور {وسارِعوا إلى مغفرة من ربكم وجنة...} [آل عمران: ۱۳۳]، اور {وفي ذلك فليتنافس المتنافسون} [المطففين: ۲۶]، اور

{لمثل هذا فليعمل العاملون}[والصافات : ٦١] جیسی آیات سے ظاہر ہے۔

کسی بھی عمل کے شریعت کے نزدیک روحانی ہونے کے لیے دو شرطیں ہیں:

۱– ایک یہ کہ وہ عمل شریعت میں (فرض، واجب، سنت، مستحب، مندوب) کسی درجے میں بھی مطلوب ہونا چاہیے، یا کم از کم ایسا مباح ہونا چاہیے کہ اُس میں مشغول ہونے سے اُس سے اَہم کسی اور مطلوبِ شرعی میں خلل اور رخنہ نہ پڑے، اور اُس کے کرنے سے کسی گناہ کا اِرتکاب بھی لازم نہ آئے، اور نہ ہی کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو؛ اِلا یہ کہ شرعی مجبوری کی صورت ہو۔

۲– دوسری شرط یہ ہے کہ اُس عمل کو خالص اللہ کی خوشنودی کی خاطر اَنجام دیا جائے، مخلوق کو دِکھانا، سنانا، یا کوئی مال، عہدہ، اور شہرت وغیرہ حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

حاصل یہ کہ روحانیت اور نفسانیت میں فکرِ آخرت کے اِستحضار وعدمِ استحضار کا فرق اہم ہے، جو کام اللہ تبارک وتعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کی نیت سے کیا جائے، اور اُس کے لیے طریقہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اِختیار کیا جائے، تو یہ "روحانیت" ہے، خواہ وہ کام نماز روزہ وغیرہ عبادات کا ہو، یا خرید وفروخت وغیرہ معاملات کا ہو، یا حکومت وسلطنت وغیرہ سیاسیات کا ہو۔

اور اگر اِخلاص اور اتباعِ شریعت میں سے کوئی بھی قید رَہ جائے تو وہ اِقدام "نفسانیت" بن جاتا ہے، چاہے وہ دیکھنے میں جتنا بھی دِینی اور اسلامی محسوس ہو، اور یہ معلوم ہے کہ نفسانی چیزوں کا اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں، وہاں صرف روحانی اور نورانی اَعمال ہی کا وزن ہوگا۔

فسادِ نیت اور فسادِ عمل کا فرق: اگر کوئی شخص کوئی عمل ظاہری طور پر اِسلامی طریقے کے مطابق اَنجام دے، مگر فسادِ نیت کی خرابی بھی اُس میں شامل کردے، تو اگرچہ یہ غلطی ہے، مگر پھر بھی یہ اُس شخص کے مقابلے میں اَہون (یا اَحسن) ہے جو ظاہری اعتبار سے بھی کام کو غیر اِسلامی اور غیر شرعی طریقے پر انجام دے رہا ہے، اِس لیے کہ صحیح راستہ اِختیار کرنے کے بعد صرف فسادِ نیت کی غلطی تو ایسی ہے جیسے کوئی شخص منع کیے جانے کے باوجود راستہ چلتے اِدھر اُدھر دیکھ رہا ہے، جو کہ کمالِ ادب اور وحدتِ مطلب کے خلاف ہے۔

جب کہ کوئی غیر اِسلامی عمل یا طریقہ اِختیار کرنا، اور پھر نیت کے ذریعے اُس کو اِسلامی بنانے کی کوشش کرنا، یہ اللہ رب العزۃ کی شان میں سخت گستاخی اور بے ادبی ہے، کہ زبردستی ایسے راستے سے اُس تک پہنچنے کی کوشش کی جارہی ہے جس پر چلنے پر اُس نے پابندی لگا رکھی ہے: {ومن یبتغ غیر الإسلام دِیناً فلن یقبل منه، وھو في الآخرۃ من الخاسرین}۔ اِس آیت میں لفظِ ''دین'' عام ہے، عبادت وبندگی کے اُصولی وفروعی تمام اُمور اِس میں داخل ہیں، اِسی لیے اسلامی تعلیمات اور شرعی اصولوں کی روشنی میں ''جدت پسندی'' بدعت ہی کی ایک قسم ہے۔

(۲) روح کی دوسری قسم کثیف اور مادّی ہوتی ہے، جس کو سفلی بھی کہا جاتا ہے، یہ عناصرِ اَربعہ: مٹی، ہوا، آگ، اور پانی کے اِجتماع سے اٹھنے والے بخارات اور نمی سے بحکم خداوندی پیدا ہوتی ہے، رحمِ مادر میں بچے کے اندر ڈالی جانے والی روح یہی ہے۔

روحِ سفلی: کثیف اور مادّی ہونے کی بنا پر نیچے کی طرف جاتی ہے، ایسے اُمور کی طرف متوجہ ہوتی ہے جو پستی کی طرف لے جانے والے ہوتے ہیں، وہ کوئی بھی کام کرے اُس کی پرواز عالمِ بالا تک ہو ہی نہیں پاتی، اُس کا تخیّل بہت محدود اور دائرۂ عمل انتہائی تنگ ہوتا ہے، حتی کہ وہ عالمِ بالا (دِین) کا کام بھی کسی مادّی اور سفلی نفع کے پیشِ نظر ہی کرتی ہے، اللہ تعالیٰ قرآنِ کریم میں اِرشاد فرماتے ہیں: {ولو شئنا لرفعناہ بھا ولکنه أخلد إلی الأرض واتبع ھواہ...} [الأعراف:۱۷۶] (اور اگر ہم چاہتے تو اُس کو اِن آیات (اور علم) کی بدولت بلند مرتبہ کر دیتے، لیکن وہ خود ہی زمین (کی پستی اور دنیا) کا ہو رہا، اور اپنی خواہشات کی پیروی کی...)۔

روحِ سفلی کی غذا: روحِ علوی کے برعکس، روحِ سفلی کی غذا: مٹی سے اُگی ہوئی، آگ سے پکی ہوئی، پانی سے نمو پائی ہوئی، اور ہوا میں پلی ہوئی مادّی چیزوں سے حاصل ہوتی ہے: کھانا، پانی، خوش نما مناظر، تفریحی ماحول، جسم کے لیے راحت وآرام کے اسباب وغیرہ چیزوں سے نفس کو قوت، فرحت، اور لذت ملتی ہے۔

اگر یہ سب شریعت کی طرف سے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق، اور مقررہ کردہ حدود

کے اندر ہوں تو فی الجملہ مطلوب ہیں، حدیث شریف میں ہے: **إن لنفسک علیک حقاً** [**بخاری :**۱۱۵۳، **مسلم :**۱۱۵۹] (بے شک تمھارے نفس کا بھی تم پر حق ہے)۔اور اگر شرعی اُصول کے خلاف، یا طبعی ضرورت سے زائد نفسانی جذبات پیدا ہوں تو یہ ہوائے نفس، شہوت، اور خواہشات کہلاتے ہیں، اور ان کی تکمیل کی زیادہ فکر اِیمان والوں کے لیے مضر ہے: {**ولا تتبع الھویٰ فیضلک عن سبیل اللّٰہ**} [ص: ۲۶] (اور خواہشات کی پیروی نہ کیا کرو، یہ تمھیں اللہ کے راستے سے بھٹکا دے گی)۔

نفس: یہ روحِ سفلی ہی کا دوسرا نام ہے، یا اُس سے الگ کوئی شئ ہے؛ دونوں ہی اِحتمال ہے، البتہ اتنی بات بہر حال ہے کہ اَخلاقِ ذمیمہ اور اوصافِ رذیلہ کا سرچشمہ ''نفس'' ہی ہوتا ہے، اِسی لیے اُس کے تزکیہ کی اتنی تاکید اور اہمیت وارد ہوئی ہے۔

پھر مختلف اَحوال کے اعتبار سے روحِ سفلی (یا نفس) کی تین قسمیں ہیں:

۱— اَمّارہ: اُس روحِ سفلی (اور نفس) کو کہتے ہیں جو اپنی اَصل یعنی روحِ علوی سے بالکل ہی باغی اور بیزار ہو، جو ہوائے نفسانی کے اِغواء کا اِس طرح شکار ہوگئی ہو کہ اُس کو عالمِ بالا سے ذرا بھی مناسبت نہ رہ گئی ہو، ہمیشہ سفلی خواہشات ہی میں گرفتار رہتی ہو: {**إن النفس لأمارۃ بالسوء**} [**یوسف :**۵۳]۔اِس میں مختلف درجات اور مراتب بھی ہیں۔

۲— لَوّامہ: اُس روح (یا نفس) کو کہتے ہیں جس سے اگرچہ عملی طور پر تو کچھ سفلی اَعمال واَشغال صادر ہوجاتے ہوں، مگر فکر وعقیدہ کے اعتبار سے وہ اپنی اَصل اور مرکزِ حقیقی ہی سے وابستہ ہو، اور اُسی کو اپنے لیے جائے پناہ اور محلِ سکون تسلیم کرتی ہو۔

تو ایسی روح ایک عجیب بے چینی اور اضطراب میں رہتی ہے، چونکہ اُس کو اپنا اَصل مقام (عالم بالا) معلوم ہے، اور اُس کی طرف فطری کشش ہے، اِس لیے اُدھر جانا بھی چاہتی ہے، لیکن موانع اور شواغل حائل ہوتے رہتے ہیں، اِس لیے یہ اندر ہی اندر کڑھتی اور تڑپتی بھی رہتی ہے، اور خود کو ملامت کرتی رہتی ہے، حدیث شریف میں اِس کو اِیمان کی علامت قرار دیا گیا ہے: **إذا ساءَتْک**

سیئتک، وسرتک حسنتک فأنت مؤمن [مسند احمد ۵/۲۵۲]۔

۳- **مطمئنّہ**: اُس روح (نفس) کو کہتے ہیں جو اپنے غالبِ اَحوال میں اپنے مرکز اصلی سے مربوط اور وابستہ رہتی ہے، یہ ہمہ وقت نشاط، بشاشت اور طمانینت کی کیفیت سے سرشار رہتی ہے۔ اِس میں بھی انبیائے کرام علیہم السلام، صحابہؓ، صدیقینؒ واولیاءؒ وغیرہ کے لحاظ سے مختلف درجات اور مراتب ہوتے ہیں۔

طبیعت: روحِ سفلی ہی وہ قوتِ محرِّکہ بھی ہے جو اِنسان کو عالمِ سفلی (دنیا) کی فکر، اور اُس کے نفع ونقصان کی طرف متوجہ کرتی رہتی ہے، یہی وہ ''طبیعت'' بھی ہے جس سے بعض مرتبہ ''فطرت'' کا اِلتباس ہوجاتا ہے، حالاں کہ اِنسان کی فطرت علوی ہے، جب کہ طبیعت سفلی ہے، الا یہ کہ وہ فطرت کے مطابق ہوجائے، جیسے انبیائے کرام علیہم السلام کی طبیعتیں۔

جذبات: روح اور نفس کی قوتِ محرِّکہ کو ''جذبات'' سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے، جو جذبات اُخروی نفع (اور رضائے خداوندی) کے استحضار کے ساتھ پیدا ہوتے ہیں اُن کو ''روحانی'' کہا جاتا ہے، اِیمان والوں سے یہی مطلوب ہیں: {تریدون عَرَض الدنیا، واللّٰہ یرید الآخرۃ} [الأنفال :٦٧] (تم دنیا کا مال اَسباب چاہتے ہو، حالاں کہ اللہ تعالیٰ تمھارے لیے آخرت کا اَجر وثواب چاہتے ہیں)۔ اور جو جذبات، آخرت سے قطعِ نظر، صرف دنیا ہی کے فائدہ ونقصان کے تعلق سے ہوتے ہیں اُن کو ''نفسانی'' کہتے ہیں۔

قلب: کسی بھی باہوش وحواس اِنسان سے صادر ہونے والا ہر قول وعمل (روحانی یا نفسانی) جذبات ہی سے ناشی ہوتا ہے، اور اِن تمام جذبات کا محل ''قلب'' ہے، جس کے بارے میں حدیث شریف میں ہے کہ جب وہ ٹھیک رہتا ہے تو دیگر تمام اعضاء درست رہتے ہیں، اور جب وہ بگڑتا ہے تو دیگر اعضا بھی خراب ہوجاتے ہیں: ألا إن في الجسد مضغةً، إذا صَلَحت صلَحَ الجسدُ کله، وإذا فسَدَت فسَدَ الجسد کله، ألا وهي القلب [بخاری :۵۲، مسلم :۱۵۹۹]۔ اِس لیے روحِ علوی کی حفاظت اور ترقی کے لیے قلب کی اِصلاح کی فکر بہت اہم ہے، تطہیر قلب صوفیائے

کرام کا خاص موضوع ہے۔

امید کہ مذکورہ بالا تفصیلات سے شرعی اعتبار سے روحانیت اور نفسانیت کا فرق واضح ہو گیا ہوگا، اور یہ بات سمجھ میں آ گئی ہوگی کہ جو کام فکر آخرت کے جذبات کے ساتھ، اُصولِ شریعت کے مطابق انجام پاتا ہے وہی ''روحانی'' کہلاتا ہے، اُسی پر آخرت کے اَجر وثواب کا وعدہ ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ مجھے اور ہر اِیمان والے کو علم نافع، عمل صالح، اور خلوص وللّٰہیت، کے ساتھ دِین وشریعت پر اِستقامت عطا فرمائیں، اور دنیا کو محورِ فکر اور مبلغِ علم بنانے کے بجائے، آخرت کو مقصود بنانے کی توفیق اَرزانی فرمائیں۔ آمین (باقی آئندہ ان شاء اللہ)

مظاہر علوم سہارنپور میں

مجلس انعامی

انشاء اللہ امسال بھی طلبہ کو انعامات تقسیم کرنے کے لئے ۲۷/ رجب ۱۴۳۹ھ مطابق ۱۴/ اپریل ۲۰۱۸ء بروز شنبہ صبح سات بجے فوقانی زکریا منزل میں مجلس انعامی منعقد ہوگی، انعام حاصل کرنے والے تمام طلبہ کا حاضر رہنا ضروری ہے، مجلس سے غیر حاضر ہونے والے طالب علم کو انعام نہیں دیا جائے گا۔

جو طلبہ دورۂ حدیث شریف یا دیگر شعبہ جات سے فارغ ہو چکے ہیں وہ اپنی آمد کی اطلاع پہلے ہی دفتر میں کر دیں تا کہ ان کا انعام بروقت تیار کرلیا جائے۔

شائع کردہ

دفتر تعلیمات مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور